قد افلح من زکّٰها وقد خاب من دسّٰها

الذکر الافلح فیما افسد اعمر و صلح

الفاروق شمس العلما مولوی شبلی نعمانی پر

ریویو

محقق کامل قاضی فقیر علی صاحب عاقل

انصاری کانگڑوی سابق سنی المذہب

بار سوم

حسب فرمائش

منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور

مطبوعہ گردھر سٹیم پریس لاہور پنڈت سنت رام پرنٹر

مختصر فہرست کتب موجودہ امامیہ کتبخانہ لاہور

آثار حیدری یہ بے بہا قابل قدر کتاب اثر جو امامیہ سلسلہ کے گیارہویں امام حجت اللہ راسخ العلم حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام کی عربی تفسیر کلام اللہ کا اردو ترجمہ ہے جو بکمال محنت و جانفشانی بغرض تعلیم کیلئے سلیس اردو میں مرتب کیا گیا ہے تاکہ احقاق حق کے سوائے کافہ انام کو علم القرآن حاصل ہو کر درجۂ استکمال دین مل سکے حجم ۶۵۰ صفحہ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت بہ عام فائدہ اور تشویق دین کے لحاظ سے بہت کم یعنی صرف للعہ ر

دافع وہم - از تصنیف میر سجاد حسین صاحب جسمیں مسئلۂ تقیہ کی ہر پہلو کی نسبت بحث کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ تقیہ شعار اسلام ہے اور کن مواقع پر شریعت نے اس کی اجازت دی ہے قیمت ۷ ر

فلسفۂ شہادت میں ثابت کیا گیا ہے کہ سید الشہداء نے کیوں شہادت اختیار کی اس سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچا اس کے عوام انصار نے کیا کیا کام کئے قیمت ۴ ر

دلچسپ مکالمہ میں مولانا سید الطاف حسین صاحب حالی اور سید سجاد حسین صاحب نے مناظرہ کی اہمیت فریقین کے اختلافات اور شیعوں کا برسر حق ہونا ثابت کر کے مولانا ممدوح کو اپنا ہمخیال بنایا قیمت ۴ ر

رسالہ عید غدیر پیغمبر خدا کا خم غدیر پر حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنا صحابہ سے بیعت لینا وغیرہ تمامی حالات حضرات اہلسنت کی معتبر کتب سے مفصل درج ہوئے ہیں نیز اس میں خطبۂ غدیر اور اعمال عید غدیر بھی شامل ہیں جو ہر شیعہ کے لیئے ازبس ضروری ہے قیمت ۴ ر

التطہیر جس میں نہایت شرح اور بسط کے ساتھ عقلی اور نقلی دلائل سے اس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ آیہ تطہیر کے مصداق سوائے خمسہ نجبا آل عبا اور کوئی نہیں مصنف نے بڑی محنت سے علاوہ فریقین کی کتب کے دیگر مشہور انگریزوں کی تصنیفات سے حوالجات دیئے ہیں قیمت ۴ ر

خلفا ثلثہ کا ایمان ایک محقق فاضل سابق سنی المذہب کی تحقیق کا نتیجہ - قیمت ا ر

رسالہ نظریہ از تصنیفات جناب مولوی سید محمد ہارون صاحب جس میں مولانا موصوف نے چھ زبردست سوالوں کے جوابات مثل (۱) ابوطالب کا ایمان (۲) خلیفہ ثالث کا لقب ذوالنورین کی کیفیت وغیرہ وغیرہ حضرات اہلسنت کی معتبر کتب سے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ دیئے ہیں قیمت

النار الحمیم لہاتک قرآن العظیم اس میں تقریباً وہ تمام اقرار جو حضرات اہلسنت کی طرف سے دربارۂ کمی بیشی قرآن الملبین ہوا کرتے ہیں عقلی و نقلی دلائل سے محققانہ طور پر رد کئے گئے ہیں - نیز اہلسنت کے جامع قرآن سے سلوک نیز ... کی کتب سے ثبوت قیمت

بسمِ اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم

الفاروق مولانا شبلی پر ایک سرسری نظر

الفاروق کے مصنف جو اس وقت ہمارے زیر نظر ہے شمس العلماء شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڈھ کالج ہیں جنہوں نے سرسید کے عہد زندگی میں ہی اپنے لئے خارجین کالج کا لقب پسند کر لیا ہے۔

پہلے المامون اور سیرۃ النعمان اُن کی تصنیف سے شایع ہو چکی ہیں۔ جن پر قوم کی نگاہیں پڑ چکی ہیں۔ الفاروق میں اُس کے ہوشیار مصنف نے گو مناظرہ کے قدیم اصول پر کسی بحث کو نہیں اُٹھایا ہے تاہم جو بظاہر محققانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ نتیجہ میں وہ ضرور اُسی قدیم طرز مناظرہ کا پہلو دبائے ہوئے ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے وہ تمام اپنے مفید مطلب باتیں تو اس کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ جو اُن کے مذاق میں قابلِ فخر ہو سکتی ہیں۔ اور اُن تمام ضروری باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن سے حضرت عمر کی سوانح عمری کا بھاری تعلق عہد پیغمبرؐ میں ہے۔ اور اُن سے کنائی کاٹتے ہوئے گئے ہیں۔ مگر وہ واقعات سوانح عمری حضرت عمر کے اُن کی عمر گریزاں نہیں ہے کہ جسے کوئی پا ہی نہ سکے۔ اس لحاظ سے جو گہری نظر رکھنے والے ہیں۔ وہ مقصود مصنف کو سمجھیں گے۔ اور جس قدر ضرورت استدلال کے لئے سمجھینگے اس سے کام لینگے۔ مصنف کو حضرت عمر کی سوانح عمری کو یوں داغ دینا

زیبا نہ تھا۔ بلکہ ان کو چاہئے تھا کہ تمام واقعات کو وہ محققانہ طور پر لکھتے۔ اور تصویر کا ایک رخ دکھلانے کے ساتھ ہی دوسرا رُخ بھی دکھلاتے تاکہ معمولی ناظر کو بھی حضرت عمر کی تمام جانفشانیاں جو انہوں نے قبول اسلام سے وفات رسولِ خدا صلعم تک اور خلیفہ ہونے سے اپنے قتل تک کی ہیں۔ معلوم ہو جاتیں۔ اور پھر وہ آسانی سے فیصلہ کر لیتا کہ کہاں تک وہ ایک ہیرو کی حیثیت سے ملکی میدان میں پیش کئے جانے کے قابل تھے۔ تاہم مصنف ممدوح نے جسقدر بھی واقعات قلمبند کئے ہیں اُن کی حقیقت بھی جان لینے کے بعد کسی شخص کو اس تنقیح کے فیصلہ کر لینے میں کہ حضرت عمر کا انتخاب نامور فرمانروایان اسلام کی فہرست میں ہو سکتا ہے" کچھ دقت نہ ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصنف نے بڑی جانکاہی کے بعد اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اور اس کی خاطر دور دراز سفر کی کٹھن مصیبتیں جھیلی ہیں۔ جو ایک مؤرخ اور محقق کے شایاں ہے۔ لیکن ناظر کی نگاہ میں اس محنت کی ذرا بھی وقعت اُس وقت باقی نہیں رہتی ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جو امور منقصت کے جوہر شخص خاطی یا غیر معصوم کی سوانح عمری میں ملتے ہیں۔ اُن کے سوانح سے رعایتاً نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ اُن کو نہیں دکھاتا تھا اور اپنی لیاقت سے اُن معائب پر آزادی سے رائے دینا تھی۔ گو وہ رائے اپنی قبولیت میں کوئی درجہ لیتی یا نہ لیتی۔ مگر ایک مورخ کو کسی کی سوانح لکھنے کے وقت عدم تکمیل واقعات سے سوانح کو ناقص رکھنا نہیں چاہئے۔ حضرت عمر کے سلسلہ نسب کا آٹھ پُشت اُوپر پیغمبر سے ملجانا بوجہ اُس سلسلہ مادری نسب کی گڑبڑی کے جسکو علامہ ابنِ قتیبہ ایسا قدیم اور مقبول محقق تحقیق کر گیا ہے اُن (حضرت عمر) کے لئے کچھ باعث فضل و شرف نہیں ہو سکتا۔ اس تحقیق کو میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ اس وجہ سے کہ میرا شمار مؤرخین اور محققین میں نہیں ہے۔ ہاں مصنف کے ہم خیال قدیم محققین علماء نے بڑی مسرت کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ اس محقق کو بھی اُن واقعات کا ترک زیبا نہیں تھا - مگر باایںہمہ میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت عمر کا آٹھویں پُشت میں پیغمبرؐ سے جا کر ملنا کوئی فخر کی بات ہے تو اس فخر کے ابوجہل اور ابولہب اُن سے زیادہ مستحق ہیں۔

ہم کو مصنف کی اس شخصی رائے سے اتفاق نہیں ہے جو انہوں نے برخلاف جمہور مؤرخین کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی پر تھے - کیونکہ اس کے برخلاف خود پیغمبر صلعم کے آباؤ کی نسبت اہل سنت کثرت سے رائے رکھنے والے ہیں کہ انہوں نے حالت کفر میں انتقال کیا ہے تو میں نہیں جانتا کہ مصنف کا حضرت عمر کی نسبت یہ بیان کہ وہ دین ابراہیمی پر تھے - کہاں تک کسی صحیح الدماغ شخص کے دماغ میں جگہ کر سکتا ہے -

میں جہاں تک نظر کرتا ہوں حضرت عمر کے لئے یہ فضیلت کم نہیں ہے کہ جس روز انہوں نے مذہب کفر چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کیا - گویا اسی روز وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے - باقی حالات جو سن رشد تک مصنف نے تحریر کئے ہیں - گو اُن سے قطع نظر نہ کی جائے تاہم اُن سے بھی اُن کی کوئی وجاہت اُس حیثیت سے نہیں مانی جائیگی جو ایک نامور شخص کے لئے مانی جانی چاہئے - ہاں پہلوانی اور کُشتی کا فن اگر کسی شخص کی ناموری کا سبب اِس حیثیت سے ہو سکتا ہے - کہ جس حیثیت سے دکھایا گیا ہے تو ہمیں کوئی عذر نہیں ہے ؂

چشمِ ما روشن دلِ ما شاد

شاید میں خیال کرتا ہوں کہ سعدی علیہ الرحمۃ نے جو حضرت عمر کی نسبت لکھا ہے کہ اُنہوں نے دیو کا پنجہ مروڑ دیا - اُسی مضمون سے ذی علم مصنف نے کتاب کے ہیرو کے سینہ پر پہلوانی کا تمغہ لگایا ہے - مگر وہ ایسا پہلوانی

اور کشتی کا فن جاننے والے تھے کہ جس کی تعریف قریش کے رستم دستان اُن کے ہمنام ابن عبدود کی زبان روح سے کوئی سُنے۔ لوگوں کے باپ دادا کا نام جاننا بھی اگر کوئی فخر کی بات ہے۔ تو ہندوستان میں اُس قوم کو ذی علم مصنف کا نہایت شکر گذار ہونا چاہیئے۔ جو بحیثیت پیشہ کے اس فن کو کرتے ہیں۔ پیشہ تجارت جو حضرت عمر کی نسبت قرار دیا گیا ہے مصنف نے اس امر کی کوئی تشریح نہیں کی کہ وہ کونسا مخصوص پیشہ کیا کرتے تھے۔ کتب تواریخ سے تو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا کوئی خاص پیشہ نہ تھا۔ ہاں عکاظ[1] کے بازار میں باہم لوگوں میں خرید و فروخت کراتے تھے۔ جس کو ہندوستان کے محاورہ میں دلالی کہتے ہیں۔ اگر کسی نامور شخص کے لئے پیشہ دلالی اُس کی ناموری کا سبب ہوسکتا ہے تو نصیب اش باد۔

قبولِ اسلام سے وفات رسول خدا صلعم تک مصنف نے جو اپنے ہیرو کی کارگذاریاں لکھی ہیں۔ اُن سے بھی کسی قسم کی بزرگی ثابت نہیں ہوتی۔ اور نہ مصنف نے وہ روائتیں لکھی ہیں جن کو مؤرخین اہل سنت حضرت عمر کی بزرگی یا فضیلت ثابت کرنے کے لئے لکھتے آتے ہیں۔

تحت جنگ بدر جو چار فضیلتیں حضرت عمر کی گنائی ہیں۔ اُن سے کوئی بزرگی ثابت نہیں ہوتی۔ بنو عدی کا جنگ بدر میں شامل نہ ہونا حضرت عمر کے رعب و داب کا اثر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ جائز ہے کہ اس کو رسولِ خدا صلعم کا یا اسلام کا رُعب و داب سمجھا جاوے۔ حضرت عمر کے قبیلہ کے بارہ لوگوں کا اس جنگ بدر میں شریک ہونا اور حضرت عمر کے غلام کا اس جنگ میں شہید ہونا اگر صحیح بھی ہو تو حضرت عمر کے لئے کوئی فضیلت ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر غلام کی شہادت کا اثر یا اُسکی شہادت کی کوئی فضیلت آقا کو مل سکتی ہے اور اسلام میں ایسی ناانصافی گوارا کی جاسکتی ہے ہم اس فضیلت کو تسلیم

[1] حیوٰۃ الحیوان دمیری

کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے اپنے ماموں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے پر کوئی بین شہادت کتب اسلام میں موجود نہیں ہے اور نہ کسی نے لکھا ہے کہ کہاں اور کس وقت حضرت عمرؓ کا اپنے ماموں پر قابو چل گیا کہ وہ اُن کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ جیسا کہ دیگر مقتولین کے نام کی صراحت اور قتل کرنے والوں کا نام مصنفین اسلام نے لکھ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی جیسی ہیبت اور دبدبہ دکھلایا جاتا ہے ایسی ہیبت اور دبدبہ کا جوان اگر کسی معرکہ میں اپنی تلوار سے کام لے تو پرے کے پرے صاف کر سکتا ہے۔ کہاں وہ ہیبت اور دبدبہ۔ اور کہاں یہ اُن کی تمام عمر کا اکلوتا کشتہ جس کا بھی کوئی پتہ نہیں ملتا کہ کیسے مقابلہ کے بعد وہ قتل ہوا۔ آیا بالمقابل دو بدو ہو کر یا گھمسان کی لڑائی میں۔ اور بفرض محال اگر ایک بڈھے کو مار ڈالا بھی تو کونسا کمال کیا۔ بوڑھا بھی وہ بوڑھا جو ان حضرت کا ماموں جس کا ہاتھ بھانجا پر نہ اُٹھا ہوگا۔

قیدیان بدر کے بارہ میں جو رائے مصنف نے تحریر فرمائی ہے وہ اگرچہ جمہور مصنفین اہلِ سنت کے برخلاف ہے لیکن شکر ہے کہ مصنف نے وہ بے فائدہ فضیلت حضرت عمرؓ کو نہیں دی جس سے جناب رسولِ خدا صلعم پر تفوق پایا جاتا ہے۔

قیدیانِ بدر کے متعلق جو تحقیق النظر[۱] کے مصنف نے کی ہے وہ نہایت عمدہ تحقیق ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ ان مصنف نے بھی اُس سے اتنا فائدہ ضرور حاصل کیا کہ کوئی فضیلت حضرت عمرؓ کو عطا نہیں کی۔ واقعہ فرار جنگ احد کو مصنف نے ظاہر نہیں کیا اور افسوس ہے کہ ایسے مشہور واقعہ کو جو کتب اسلام میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے مصنف نے چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اور افسوس بالائے افسوس یہ ہے

[۱] النظر السموق فی سیرۃ الفاروق از قزلباش سمنی۔

کہ برخلاف اس کے مصنف نے یہ فقرہ کس تحقیق کے مطابق لکھا ہے کہ
"سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے
ثابت قدم اُسی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جو میدانِ جنگ سے منہ نہ پھیرے
اور کھیت میں جما رہے۔ مصنف نے خود قبول کیا ہے۔ کہ حضرت عمر کا
اس بارہ میں اقبال ہے کہ وہ ثابت قدم نہیں رہے۔ لیکن مصنف
نے اس روایت کو غلط ثابت کرنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے۔
اور وہ بڑی دلیری سے کہتے ہیں کہ روایت درایتاً غلط ہے"۔ جہادسی
بھاگنا بیشک ایسا ہی ننگ ہے جس کو کوئی شخص قبول نہیں کر سکتا لیکن
حضرت عمر کو اس بھاگنے سے جب خود اقبال ہے تو یہ کوشش کہ وہ بھاگنے
والوں میں شمار نہ کئے جائیں۔ بلکہ ثابت قدم سمجھے جائیں بالکل بیکار ہے۔
ہاں اگر اُن کی یہ مراد ہے کہ وہ قدم بقدم حضرت عثمان کے نہیں گئے۔ تو
اُس کو ہم قبول کرتے ہیں۔ بیشک وہ میدانِ جنگ سے صرف پہاڑ تک
ہی بھاگے ہیں۔ اور پہاڑ پر چڑھ کر وہاں سے اچک اچک کر رنگ لڑائی
کا دیکھتے رہے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عمر کا اقبال عدمِ ثباتِ قدم
بھی صحیح ہے۔ اور کیسے وہ ثباتِ قدم کا دعوےٰ کر سکتے تھے جبکہ
سورۂ صف کی اُس آیت پر نظر رکھنے والے تھے۔ جس میں خدا نے
ثابت قدمی کی تعریف کی ہے۔ (وہ دیواریں جنکی بنیاد میں سیسہ پلایا گیا ہو)
اور اِن مصنف کا عدمِ فراری کا خیال بھی ٹھیک ہے۔ مگر خدا نے
سورۂ "انفعال" میں جہاں آدابِ جنگ کا بیان کیا ہے۔ بھاگنا تو ایک
طرف مقابلہ سے منہ پھیرنا بھی ایسا ہی شدید تر جرم قرار دیا ہے کہ
جسکی سزا کے یہ الفاظ "فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"
ان واقعات کے ملاحظہ کے بعد مجھ کو اُمید ہے کہ ذی علم مصنف غور
فرمائیں کہ اُن کی کوشش کا کیا نتیجہ ہوا ہے جنگِ احزاب جسکو جنگِ خندق

بھی کہتے ہیں۔اس کے واقعات کو مصنف نے بالکل ترک کیا ہے۔حضرت عمر کے وہ اقوال ضرور اس موقع پر نقل کر دینے چاہییں تھے جن سے عمر بن عبدود کی ہیبت ظاہر کر کے لشکر اسلام کے آپ نے رہے سہے حواس بھی گم کر دئے تھے۔

واقعات صلح حدیبیہ کو بھی اگرچہ تفصیل سے نہیں لکھا۔تاہم مصنف نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت عمر کو اُس دن نبوت میں شک ہُوا جس کی تلافی کی تدابیر وہ روزہ رکھ کر اور نفلیں پڑھ کر اور خیرات سے کرتے رہے"۔اگلے محققین نے تو اس واقعہ شک سے حضرت عمر کو اس زمانہ تک ضعفائے مسلمین میں قبول کر کے التزام سے بری کیا تھا۔ اور ہمارے نزدیک ایسی رائے نہایت قابل تحسین تھی۔لیکن ان مصنف نے بجائے اس کے یہ بحث کر کے کہ رسول خدا صلعم کے کونسے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کونسے رسالت کے منصب سے متعلق ہیں حضرت عمر کے شک کو کچھ بھی شک کی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ اُلٹا ایک حیثیت سے پیغمبر کی نسبت ہی کچھ گو مگو کہ گئے ہیں۔ مگر اُن کو خیال کرنا چاہئے تھا۔جبکہ رسول خدا صلعم نے خود جواب میں کہ دیا ہے کہ میں خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا تو یہ کام (وقوع صلح) منصبِ رسالت سے کس طرح علیحدہ ہو سکتا ہے اور اس کو بھی جانے دو۔وہ روزوں اور نفلوں اور خیرات سے تلافی کس بات کی تھی۔لاحول ولا قوۃ۔

جنگ خیبر کے واقعات میں مصنف نے حضرت عمر کے فرار کو ان لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے کہ وہ دونوں دن ناکام واپس آئے۔لیکن اُن کو اس امر کی تنقیح کرنا تھی کہ فوج والے اُن پر اور وہ فوج والوں پر جو التزام جبن کا لگاتے تھے جس کا ذکر صاحب ازالۃ الخفا نے کیا ہے۔ کس کا بیان صحیح تھا تا کہ (ناکامی کس کے جبن سے ہوئی) اس کا تصفیہ ہو جاتا

مگر میرے خیال میں ذی علم مصنف نے عمداً اس کو نظر انداز کیا ہے کیونکہ وہ بمقابلہ تنہا شہادت ایک صحابی حضرت عمر کے کثیر شہادت جم غفیر صحابہ کو منظور کرنے پر مجبور ہوتے۔

جنگ حنین میں صحابہ کا فرار کچھ چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ قرآن خود شاہد ہے اور مورخین نے ان لوگوں کو گنا دیا ہے کہ جو پیغمبر صلعم کے اس موقعہ پر سینہ سپر رہے ہیں۔ لیکن مصنف نے خلاف جمہور اہل اسلام حضرت عمر کو بھی ان میں ٹھونسا ہے۔ اور یہ امر ذی علم مصنف کے اولیات میں شامل ہونے کے قابل ہے۔

اب مصنف نے معاملہ قرطاس پر رائے زنی شروع کی ہے۔ جہاں سے دراصل حضرت عمر کی سوانح عمری کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ مصنف نے حضرت عمر کی وہ تمام کارگزاریاں جو انہوں نے اسلام لانے کے وقت سے وفات رسول خدا صلعم تک کی ہیں۔ اس عذر سے نظر انداز کردی ہیں کہ "اگر وہ تفصیل سے لکھی جائیں۔ تو الفاروق کا یہ حصہ سیرت نبوی سے بدل جاتا ہے۔" دراصل یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا کے عہدِ زندگی میں ان سے کوئی ایسی نمایاں کارگزاری نہیں ہوئی ہے۔ جس سے اسلام کو مدد پہنچی ہو بلکہ جو واقعات ملتے ہیں ان کا شروع تو یہ ہے کہ حضرت عمر پیغمبرؐ کے خود قتل کا بیڑا اٹھا کر یاروں کی صحبت سے آئے ہیں۔ مگر وہ نشہ نخوت ہرن ہوگیا اور خود وہاں آکر ایمان لائے جیسا بھی کہ لائے۔ جس کی حقیقت حدیبیہ کے روز کھل گئی۔ اور اسی وجہ سے حدیبیہ کے واقعہ تک اگلے مورخین نے کامل الایمانوں میں ان کو شمار نہیں کیا ہے۔ اور یہ مصنف بھی مجبور ہوئے ہیں کہ حدیبیہ کے واقعہ سے ان کے شک اور پھر اس شک سے آئندہ توبہ تلہ کو ظاہر کریں اور علاوہ اس کے پھر جو واقعات عہدِ پیغمبرؐ میں اور ہوئے ہیں وہ بھی

ایسے ہی ہیں۔ کہ بسبب بزرگی حضرت عمر کے اُن کی سوانح عمری میں نہیں لکھنے چاہئے تھے۔ کہ وہ منقصت ظاہر کرنے والے تھے۔ لہذا مصنف نے اُن کو ترک کیا ہے۔ اور اُن کے ترک کو گو مصنف ترک اولیٰ سمجھیں مگر جس میدان میں کہ مصنف نے قدم رکھا ہے اُس کی ڈیوٹی کے یہ امر ہے خلاف ہی۔

مصنف نے اِس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ رسول خدا صلعم کو ہذیان کی نسبت دینے والے حضرت عمر ہی ہیں۔ جس سے وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ بڑی جراءت کر کے اس روایت کو ہی جو سات طریقوں سے صحیح بخاری میں درج ہے۔ غلط ثابت کرنے کی بیفائدہ کوشش کرتے ہیں۔ مگر کوئی دانا اُن کی ایسی کوشش کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ عبد اللہ بن عباس کی عمر کا ۱۳ یا ۱۴ برس کا اُس وقت ہونا اس روایت کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکتا۔ جہاں دیگر روایت پر مصنف نے درایتاً روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح وہ یہاں بھی کام لے سکتے تھے۔ عبد اللہ بن عباس اس پایہ کے صحابی ہیں جن کے صدق اور ثقہ ہونے کی شہادتیں کتب اسلام میں موجود ہیں۔ اگر اس بنا پر اُن کی مروی روایت مقدوح سمجھی جائے گی تو میں افسوس سے کہتا ہوں کہ ایک بڑا بھاری حصہ روایات صحاح کا مصنف کی بدولت بیکار محض ہو کر ردی میں پھونک دینے کے قابل سمجھا جائے گا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جب محدثین اہل سنت مصنف کے اس بیان کو دیکھیں گے تو ضرور اس بات پر بھی نظر کرینگے کہ ایسا بیان کہاں تک کتب صحاح کے درحقیقت صحیح کتب ہونے کی حمایت کرتا ہے کہ جن پر مدار مذہب کا ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف نے ایسی رائے کی بنیاد اپنی پہلی

تصنیف سیرۃ النعمان سے ہی قائم کی ہے۔ جس میں انہوں نے روایات
صحاح کی نسبت قبول کر لیا ہے کہ احادیث وضعی کا ایک دفتر بے
پایاں جمع کیا گیا ہے۔ اوسی اصل کی آئندہ تصانیف میں یہ فرع ہے
کہ جہاں دیکھتی رگ نظر پڑی۔ جھٹ نشتر موضوعہ سے کام نکالا چشم
بد دور۔ ماشاء اللہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کو لکھتے ہوئے معنف
حیرت زدہ سے ہو گئے ہیں۔ اور وہ تعجب کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر پر رسول خدا صلعم کی وفات کا کوئی اثر نہیں ہُوا۔ اور وہ
آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ اور
سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کی بابت انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح
ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا اُن پر کوئی حادثہ ہی نہیں پڑا
تھا۔ اور اُنہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت
علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا۔ تو بھی بنی ہاشم نے آسانی سے اُن کی
خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ یہی ایک ایسا واقعہ ہے جس پر اگر غور کیا جائے
تو خلافت شیخین کی ناجوازی اور بنی ہاشم سے خلافت کو بے خبر
نکال دینے کی رائے قائم ہو سکتی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ وہ کونسا
ایسا سبب ہے جس نے مصنف کو اس طرف جانے سے روکا ہے۔
بلکہ برخلاف اس کے وہی الزام وہ بنی ہاشم اور علی الخصوص علی مرتضیٰ
پر لگانا چاہتے ہیں۔ اور یہ چار امر تنقیح طلب قائم کرتے ہیں۔

اول۔ کیا خلافت کا سوال حضرت عمر نے چھیڑا تھا؟

دوم۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

سوم۔ کیا حضرت علیؓ اور بنی ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

چہارم۔ ایسی حالت میں حضرت عمر نے جو کچھ کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟
انہیں چار امور کا فیصلہ اگر مصنف تمام کتب اسلام کو زیر نظر

رکھا کرتے تو کبھی یہ نتیجہ نہ نکالتے۔ جو کہ مصنف نے نکالا ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ نتیجہ برآمد ہوتا کہ جو کچھ حضرت عمر نے کیا وہ بالکل برخلاف منشاء رسولِ خدا صلعم تھا۔ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کا بمجرد اس خبر کے سننے کے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو کر خلافت کے جھگڑے بخرے کرنے کو آمادہ ہیں۔ فی الفور بلا تجہیز و تکفین رسولِ خدا صلعم چلے جانا کیا ثابت نہیں کرتا ہے۔ کہ اُن کو حرص اور طمع جاہ کھینچ کر لے گئی تھی۔ جس کی آرزو مدتوں سے اُن کے دل میں پوشیدہ تھی۔

اگر ایسا ہی تھا تو کیا ضروری تھا کہ خود دوڑتے ہوئے از خود رفتہ چلے جاتے۔ کسی اور آدمی کو بھیج کر کیا انصار کو رسول خدا صلعم کی تجہیز و تکفین کی شمولیت کے لئے طلب نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر چلے بھی گئے تھے تو خلافت کے فیصلہ کو بعد تجہیز و تکفین رسول خدا صلعم کے نہیں اُٹھا کر رکھا جا سکتا تھا۔ اور وہ کونسی ایسی جلدی پڑی ہوئی تھی۔ کہ اسی وقت رسول کے جانشین کا فیصلہ کرنا ضروری تھا جناب امیر کا خلافت کی فکر سے فارغ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مستحق خلافت جانتے تھے۔ اور خلافت شیخین کا نہ ماننا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حق اُن سے خلاف مرضی اُن کی لیا گیا ہے۔

علی مرتضےٰ کا رسول خدا صلعم سے وقت وفات منصب خلافت کی نسبت کچھ دریافت نہ کرنا اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ حیات پیغمبر میں تمام عملی کارہائے رسالت میں کرتا رہا ہوں۔ اور عرب کے دستور قدیم کے علاوہ بیعت غدیر کا واقعہ ابھی مہاجرین اور انصار کی نظروں میں تازہ ہی ہے ایسی کھلی شہادت

کے موجود ہوتے ہوئے وقت وفات دریافت کرنے کی ضرورت نہ تھی اور جب وہ دیکھ چکے تھے کہ لوگوں نے تحریری وصیت رسولِ خدا کو نہ لکھنے دی اور ہذیان کی تہمت لگائی۔ تو اگر دریافت کرکے پوچھ بھی لیتے تو لوگ کب ماننے والے تھے۔ وہ اس اجازت کو بھی ہذیان بک کر ٹال دیتے۔

علیؑ مرتضےٰ اور زبیر اور دیگر بنی ہاشم اور صحابہ رسولؐ کا حضرت فاطمہ زہرا البضعۃ الرسول کے گھر خلافت کے مشورہ کے لئے جمع ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ یہ اُسی دن کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ مصنف نے غلط طور پر استدلال کیا ہے۔ بلکہ جناب امیر اور صحابہ کا حضرت فاطمہؑ کے گھر خلافت کے مشورہ کے لئے جمع ہونا بعد کا واقعہ ہے جبکہ حضرت ابوبکر سقیفہ بنی ساعدہ سے واپس آکر مسجد نبوی میں لوگوں سے بیعت لینے میں مصروف ہوئے ہیں۔ اور حضرت عمر کی تحریک پر علیؑ مرتضےٰ کو گھر سے طلب کیا ہے جس کو تمام مورخین اور بالخصوص حضرت جمال الدین موٴرخ نے اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ حضرت فاطمہؑ زہرا کے گھر صحابہ کا خلافت کے مشورہ کے لئے جمع ہونا حضرت ابوبکر کی خلافت کی ناجوازی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ یا جس وقت علیؑ مرتضےٰ نے اپنی حجتیں حضرت ابوبکر کے روبرو بیان کی ہیں کہ جس وقت مسجد نبوی میں کھچا کھچ لوگ بھرے ہوئے تھے۔ تو کیا حضرت ابوبکر نے لوگوں سے یہ نہیں کہا ہے کہ اے لوگو اقالہ بیعت کا مجھ سے کر لو ایسی حالت میں کہ تمہارے درمیان میں علیؑ موجود ہیں"۔ اگر حضرت ابوبکر خلافت کو اپنا حق صحیح جانتے تھے۔ تو وہ کون وجہ تھی کہ جس علیؑ مرتضےٰ کی جوابی اسپیچ میں اُن کی زبان سے یہ کلمات خلافِ حق نکلوائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیشک خلافت اُن کا

حق تھا۔ اور یہ جو کچھ انھوں نے کہا۔ تماط کہا تو میں ایسا متعصب شیعہ نہیں ہوگیا ہوں۔ کہ اُن پر ایسی غلط گوئی کا الزام لگاؤں۔ ذی علم مصنف اور اُن کے ہم خیالوں کو جو متبعان اپنے حضرت ابوبکر صدیق کے ہیں اختیار ہے کہ وہ اُن کو صدیق نہ قرار دیں۔ مصنف کو زیبا نہیں تھا کہ وہ تمام واقعات سقیفہ کو خلط ملط کر کے یہ نتیجہ نکالتے۔

مصنف نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ کوئی مہاجر یا انصار جناب امیر علیہ السلام کے دعوے کی تائید نہ کرتا تھا۔" سقیفہ بنی ساعدہ میں جبکہ حضرت علیؑ موجود ہی نہیں تھے۔ تو عدم تائید کا مضمون کیسا؟

بلکہ برخلاف اس کے کہ جناب امیر علیہ السلام موجود اُس موقع پر نہ تھے۔ اور اُن کی عدم موجودگی میں انصار کا یہ کہنا کہ" جب یہ امر بھی منظور نہیں ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو، اور ایک تم میں سے تب ہم علیؑ مرتضیٰ کا انتخاب خلافت کے لئے کرتے ہیں[1]۔ خاص دلیل علی مرتضیٰ کے افضل اور مستحق خلافت ہونے کی ہے۔

اگر یہ مہاجر ثلاثہ اس وقت انصار کی تجویز علیؑ مرتضیٰ کے انتخاب کو مان لیتے تو پھر کچھ بھی جھگڑا نہ رہتا۔ مگر اُن کو تو دوسری ہی طمع تھی۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کی بیعت ہو جانے پر بھی بعض اصحاب علیؑ مرتضیٰ کے ہی طرفدار پائے گئے۔ اور حضرت ابوبکر کی بیعت ہو جانے پر بھی بعض اصحاب علی مرتضیٰ کے ہی طرفدار پائے گئے اور حضرت ابوبکر کی خلافت سے ناراض۔ اور یہ دوسرا مسئلہ اصولِ سلطنت کا ہے کہ منکرین خلافت کو کسی نہ کسی طرح اپنا محکوم بنایا جائے۔ لیکن بعض صحابہ نے دھمکی اور طمع کو بھی نہیں مانا۔ اور کھلم کھلا حضرت ابوبکر کی خلافت کو ناجائز جانتے رہے۔ اور جلاوطنی اختیار کی۔

[1] دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر واقعات سقیفہ ؛

کیا سقیفہ بنی ساعدہ میں جب یہ پروپوزل پیش ہوا ہے کہ علیؑ کی بیعت کی جائے تو اُس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کونسے امور حضرت علی مرتضیٰ کی بیعت لینے کے لئے مانع ہوئے تھے۔ کیا اُن کو بیعت خم غدیر کا واقعہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور کیا وہ اُس وقت جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مبارکباد نہیں دے چکے تھے۔ لیکن بلا کسی قسم کے حق خلافت کے خلافت کو اُچک لینا اور حقدار کو حق سے محروم رکھنا کیا ظلم نہیں ہے۔ اور جب بغیر حق کے کسی چیز کو جبراً لے لینا اگر ثابت ہو جائے۔ تو کیا اُس کو غصب نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ اُن حضرات کو وہی قرار دیتے ہیں۔ اور اس امر سے اہل سنت کو ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب کہ اصولِ قانونِ سلطنت جہاں تک ہو سکے دعویداران سلطنت کو کمزور کرنے کی پاسداری کرتا ہو۔ تو یہاں پھر کیوں ناراضگی ظاہر کی جاتی ہے۔ اور کیوں اس اصول کو مرعی نہیں رکھا جاتا۔ اور خواہ مخواہ خلاف واقع امور کا جواز ثابت کرنے کے لئے کد کی جاتی ہے۔ اور کیوں کھلے طور پر اس امر کو تسلیم نہیں کر لیا جاتا۔ کہ جو سختی اُس وقت علیؑ مرتضےٰ پر کی گئی وہ جائز تھی۔ اور جو کچھ کیا گیا وہی واجب تھا۔ ایک طرف تو یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کو کسی سبب سے محروم رکھا گیا۔ اور دوسری طرف یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جو کچھ کیا گیا۔ اُس پر کوئی اعتراض نہ کرے سو ایسی امید ایک محقق سے نہیں رکھنی چاہیے۔

حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی اور بے اعتدالیوں کو معنف قبول کر کے کہتے ہیں کہ "جو کچھ کیا گیا جائز تھا۔ کیونکہ اُن حضرت کی بے اعتدالیوں نے تمام فتنوں کو دبا دیا" لیکن ہمیں یقین نہیں آتا

کہ اُس وقت کوئی ایسا فتنہ برپا ہو۔جس سے اسلامی جماعت کا شیرازہ
بکھر جانیکا خوف ہو۔اور نہ اُس وقت کسی خانہ جنگی کا گمان تھا۔اگر فتنہ
قائم ہونے کا کوئی گمان رسول خدا صلعم کو ہوتا۔تو اُس وقت جیش اُسامہ
کی تیاری نہ کی جاتی۔جسکو مصنف نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔حالانکہ جناب
رسول خدا کو اپنی موت کا یقین تھا۔اور وہ پیشین گوئی فرما چکے تھے۔پس
ایسے نازک وقت میں تمام صحابہ مہاجر و انصار کو اُسامہ کے ماتحت کرکے
مدینہ سے دور دراز مقام پر چلے جانے کی تاکیدی ہدایت کرنا مشکل سے
یقین دلا سکتا ہے۔کہ اُس وقت کوئی فتنہ قائم ہونے والا تھا۔بلکہ برخلاف
اس کے یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ اُس وقت نہایت امن کا زمانہ تھا۔اور کسی
قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ تھا۔مصنف نے صرف حضرت ابو بکر اور حضرت عمر
سے واقعی اور سچا الزام اُٹھانے کے لئے یہ غلط رائے قایم کی ہے۔
لیکن تو بھی وہ اس الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔کہ جو کارروائی انھوں
نے کی اُس سے ایک حقدار اور دعویدار سلطنت کو انہوں نے محروم کر دیا
اور اذیت خاندان رسولؐ کو اُن کے اس فعل سے پہنچی۔

مصنف نے تسلیم کیا ہے۔کہ حضرت ابو بکر نے جو حضرت عمر کو
اپنا جانشین مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔تو بعض صحابہ نے اُن کو
اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔کہ آپ کے موجود ہوتے عمر کا ہم لوگوں
کے ساتھ کیا برتاؤ تھا۔اب وہ خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے۔
اب آپ خدا کے یہاں جاتے ہیں۔یہ سوچ لیجے کہ خدا کو کیا جواب دیجئےگا"
حضرت ابو بکر کا یہ جواب بھی لکھا ہے "کہ میں خدا سے کہوں گا۔کہ میں نے
تیرے بندوں پر اُس شخص کو افسر مقرر کیا ہے۔جو تیرے بندوں میں سب
سے زیادہ اچھا تھا۔اگرچہ حضرت ابو بکر ایک تنہا صحابی کی رائے کی۔
جبکہ الصحابی کلہم عدول" کی نظیر سے بھی تقویت قول۔گروہ کثیر صحابہ کی ہی

ہوتی ہے۔ کچھ وقعت نہیں ہوسکتی ہے۔ مگر یہ جواب اُن کا خود اُن کے اس
جواب سے باطل ہوتا ہے۔ جبکہ ابتداء خلافت میں علی مرتضیٰ کی حجتوں
سے اُنہوں نے ساکت ہو کر یہ فرمایا ہے۔ کہ اے لوگو مجھ سے اقالہ بیعت
کا کر لو۔ جب کہ درمیان تمہارے علیؑ ہے۔ مگر ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ
معاوضہ اُس کوشش کا تھا۔ جو سقیفہ میں اُن کی تقرری کے متعلق حضرت
عمر نے کی تھی۔ اور اُسی بار احسان حضرت عمر سے اُن کی گردن جھکی تھی۔ اُسی نے
خدا کے آگے جواب دینا بھی اُن سے گوارا کرایا۔ اور اُسی نے صحابہ کے
رائوں کے نہ ماننے پر بھی مجبور کیا۔

صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۷۰ تک مصنف نے حضرت عمر کی خلافت اور
فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر کے عہد میں جسقدر فتوحات ہوئے
اُن کو ہم نتیجہ اسی قوت متفقہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو عہد آنحضرت میں
محض علی مرتضیٰ کے بے نظیر جانفشانیوں کی وجہ سے بحیثیت قومی
سلطنت مسلمانوں کی قایم ہو چکی تھی۔ افسوس ہے کہ ان فتوحات کی
شان ایسی نظر نہیں آتی۔ جیسے کہ جناب رسول خدا کے فتوحات کی
شان ہے۔ اور غور کرنا چاہیئے کہ ان فتوحات نے اسلام کی سفید
اور بے داغ چادر پر کیسے کیسے بدنما داغ دھبے لگائے ہیں۔ علاوہ ازیں
ان تمام فتوحات میں کوئی ذاتی شمولیت بھی حضرت عمر کی پائی نہیں جاتی
بلکہ تاریخ اسلام میں اس امر کو قبول کیا گیا ہے کہ تمام فتوحات حضرت
علی مرتضیٰ کے مشورہ اور تجویز سے حاصل ہوئی ہیں جیساکہ مصنف
اخفا نے اخفا کی پہلی جلد میں اچھی طرح ثابت کیا ہے جس سے کوئی
فضیلت حضرت عمر کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک موقع پر جبکہ حضرت عمر
نے علی مرتضیٰ سے اپنے جانیکا مشورہ کیا ہے تو صاف علی مرتضیٰ نے فرمادیا ہے
کہ حضرت آپ مہربانی کر کے تشریف نہ لیجائیں۔ بلکہ کسی جنگ آزمودہ کار کو

بھیجیں۔[۱] "جس سے ہر کوئی شخص علی مرتضےٰ کے ارشاد کے مقصد کو جان سکتا ہے۔ اور نہ حضرت علی مرتضےٰ کے حضرت عمر کو معاملات بیرونِ سلطنت میں مدد دینے سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ خلاف حضرت عمر کو جائز جاننے والے تھے۔ ہاں جبکہ بمقابلہ قوم مسلمانوں کے غیر قوم مسلمانوں سے بیرون سلطنت کے معاملات میں اُن سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ وہ مشورہ دیتے تھے۔ خواہ اُس پر عمل کیا جاوے یا نہ کیا جاوے۔ مگر ایسے مشورہ علی مرتضےٰ سے صحت خلافت حضرت عمر کا استدلال نہیں ہو سکتا۔ نہ علی مرتضےٰ کا اس سے خلافت کو قبول کرنا استدلالاً ثابت ہو سکتا ہے۔

مصنف نے اخیر پر حضرت عمر کا مقتل بھی نہایت اختصار کے ساتھ دکھلایا ہے۔ اور تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ایک حکیم کی رائے کے مطابق نبیذ اور شربت کا استعمال کرایا گیا۔ میں یہاں یہ بحث کرنا نہیں چاہتا کہ آیا نبیذ کا استعمال جو ایک قسم کی شراب ہے اسلام نے جائز قرار دیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہر ایک مسلمان کر سکتا ہے۔ بلکہ میں یہاں صرف یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جب نبیذ اور شربت حضرت عمر کے زخم سے خارج ہو گیا۔ اور ہضم نہیں ہو سکا۔ تو حکیم نے مضروب کے پاس سے اُٹھ کر لوگوں سے کہ دیا۔ کہ اِن کو آخری وصیت کر دینا چاہیے اور میں اُس آخری وصیت کو لکھتا ہوں۔ جس کو مصنف الفاروق نے ترک کر دیا ہے۔

جب لوگوں نے حکیم کے جواب دیدینے پر یہ یقین کر لیا۔ کہ حضرت عمر کا جام حیات لبریز ہو چکا ہے۔ اور وہ زندہ نہ رہینگے

[۱] دیکھو شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و رسالہ روشنی جلد ۵

تب اُن سے کہا گیا کہ آپ اپنا جانشین مقرر کیجیے۔ جسے سُن کر حضرت عمر نے نہایت افسوس سے فرمایا کہ "اگر ابو عبیدہ آج زندہ ہوتا۔ تو میں اُسے خلیفہ مقرر کرتا۔ اور خدا مجھ سے پوچھتا۔ تو کہ دیتا کہ تیرے رسول نے اُس کو اِس اُمت کا امین کیا ہے" دوسری دفعہ حضرت عمر نے سالم موے ابو حذیفہ کو یاد کر کے کہا۔ کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو بلا مشورہ اُس کو اپنا جانشین بناتا۔ اور خدا پوچھتا تو کہ دیتا کہ اُس کی نسبت میں نے پیغمبر سے سُنا تھا۔ کہ سالم خدا کی محبت میں بہت قوی ہے (اس جگہ حضرت عمر کو شاید حدیث الائمہ من قریش یاد نہیں رہی ہوگی جسکو بمقابلہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش کر کے اُن کی زبان کو بند کر دیا تھا) تیسری دفعہ حضرت عمر نے معاذ بن جبل کو جانشینی کے لئے یاد کیا اور خدا کے دریافت کرنے پر یہ جواب دینے کو کہا ہے کہ میں نے تیرے رسول سے اُس کی نسبت سُنا ہے کہ بروز قیامت جب علماءِ اُمت جمع ہوں گے تو وہ سب سے ایک قدم آگے خدا کے نزدیک ہوگا۔ معاذ کی یاد کے بعد حضرت عمر نے کہا کاش خالد زندہ ہوتا تو اُس کو خلیفہ مقرر کرتا۔ اور خدا مجھ سے دریافت کرتا تو کہ دیتا کہ تیرے رسول سے میں نے اسکی نسبت سنا تھا کہ خالد سیف اللہ ہے ان چاروں گذشتگان کے بعد حضرت عمر نے اُن چھ صحابہ کے نام گنا کر قواعد شوریٰ مقرر فرما دیئے ہیں۔ جن کو سُنتے ہی علیؑ مرتضیٰ نے کہ دیا ہے کہ اس دفعہ بھی خلافت ہم سے گئی۔"

مصنف نے بھی اس واقعہ کو اس طرح قبول کیا ہے کہ "موت کے وقت جو اہم کام تھا وہ خلیفہ کے انتخاب کا تھا۔ جسکو اپنی زندگی میں مدتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر سوچا کرتے تھے" یہ غور کرنا اور سوچنا اگر غور سے دیکھا جائے تو اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ غور کرنا۔ اور سوچنا اس امر کا تھا کہ کسی طرح خلافت حضرت علیؑ مرتضیٰ کو نہ ملے۔ جیسا کہ

حضرت عمر کے تجویز کیئے ہوئے ممبروں نے کیا۔ اور جناب امیر علیہ السلام محروم رہے
یہاں مصنف نے عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر کا مکالمہ بھی حاشیہ پر لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا پکا خیال تھا کہ تمام لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ خلافت خاندانِ نبوت سے حسداً اور ظلماً چھین لی گئی ہے اور جب دیکھا ہے کہ عبداللہ بن عباس حجت میں غالب آنے والے ہیں تو اس تذکرہ ہی کو جانے دیا ہے۔ مصنف نے اس مکالمے کو ادھورا سا لکھا ہے۔ میں اس کو پوری تفصیل سے تاریخ کامل مصنفہ علامہ ابنِ اثیر جزری کی جلد سوم صفحہ ۲۵ سے لکھتا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا کہ اے ابنِ عباس کچھ جانتے ہو۔ کہ تمہاری قوم نے تم لوگوں کو کیوں محروم رکھا۔

ابنِ عباس۔ اگر ہم نہیں جانتے تو امیرالمومنین بتلائیں گے۔

حضرت عمر۔ تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونوں تمہارے خاندان میں رہیں جس سے تم اپنی قوم پر فخر و مباہات کرو (جس لفظ بجہ سے خلیفہ صاحب نے ان لفظ کو استعمال کیا ہے اُس کا مطلب اردو زبان میں پوری طرح ادا نہیں ہو سکتا جن لوگوں کو زبان عربی سے موانست ہے وہ اصل کتاب میں دیکھیں کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے) لہٰذا قریش نے خلافت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی طرف سے خلیفہ بنایا۔ اس کارروائی میں قریش صواب پر ہیں اور نیک توفیق پائی۔

ابنِ عباس۔ اے امیرالمومنین اگر آپ اجازت دیں اور غصہ نہ فرمائیں تو میں بھی کچھ کہوں۔

عمر۔ کہو۔

ابنِ عباس۔ امیرالمومنین کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور باختیار خود خلیفہ مقرر کرنے میں نیک توفیق پائی اور اچھا کیا۔ اگر مطابق حکم و اختیار خدا ایسا کرتے۔ تو بیشک ثواب پاتے۔ اور کوئی اُن پر رد نہ کرتا۔ اور نہ کوئی حسد کرتا۔ باقی یہ کہ قریش نے ہم میں نبوت و خلافت کے

جمع ہونے سے کراہت کی تو خدا ایک قوم کی کراہت کے بارہ میں کہتا ہے (ترجمہ آیتہ) اور یہ بسبب اس کے ہے کہ اُنہوں نے کراہت کی اُس چیز سے جسکو نازل کیا۔ خدا نے پس حبط کر دیا۔ خدا نے اُن کے اعمال کو (اس موقعہ پر اس آیت کی تلاوت نہایت غور کے قابل ہے)

عمر۔ ہیہات۔ ہیہات۔ افسوس افسوس اے ابن عباس ضرور مجھ کو تمہاری بہت سی باتوں کی خبریں پہنچی تھیں جن کو اس وجہ سے تم سے نہ دہرایا کہ اُس کے اقرار سے تمہارا مرتبہ میرے نزدیک زائیل ہو جائیگا۔ (یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کو ان امور کا علم تھا کہ یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں مگر ظاہر داری کی وجہ سے تعظیم و احترام کرتے تھے۔ اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اُسکو صاحبان عقل دریافت کر سکتے ہیں)

ابن عباس۔ اے امیر المومنین بتلائیے کہ وہ کونسی باتیں ہیں۔ اگر حق ہے تو ضرور میری منزلت گھٹنی چاہئے اور اگر باطل خبریں پہنچی ہیں۔ تو میں اپنی برأت ثابت کرونگا۔

عمر۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہم لوگوں سے ازراہ حسد و بغاوت و ظلم چھینی گئی ہے

ابن عباس۔ ظلم کا حال تو جاہل و عالم سب کو معلوم ہے۔ باقی رہا حسد۔ پس حضرت آدم سے حسد کیا گیا (بجز شیطان کس نے ان کا حسد کیا) اور ہم لوگ اُنہیں کی اولاد ہیں۔ اور ہم سے بھی لوگ حسد رکھتے ہیں۔

عمر۔ ہیہات۔ ہیہات اے ابن عباس واللہ تم لوگ بنی ہاشم کے دل نے بجز حسد کے سب باتوں سے انکار کیا (یعنی بنی ہاشم کے دل میں محض حسد بھرا ہے

ابن عباس۔ بس بس اے امیر المومنین جس قوم کے دلوں کی تعریف خدا نے اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا سے فرمائی ہے (نکال دیا خدا نے رجس ناپاکیزگی کو اور پاک کیا پورے طور پر) حسد اور کھوٹے پنے سے اُنکی طرف حسد اور غش کی نسبت نکرو حضرت رسولؐ کا دل بھی اُنہیں بنی ہاشم سے ہے

عمر۔ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس۔ بہت خوب۔

جب اُٹھنے لگے۔ تو عمر شرمائے۔ اور کہا اے ابن عباس ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم میں تمہارے حقوق کی رعایت کرتا ہوں اور تمہاری خوشی کو دوست رکھتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا۔ اے امیر المومنین ضرور میرا حق تم پر ہے اور ہر مسلمان پر جس نے اُس کی حفاظت کی۔ وہ نصیب کو پہنچا اور جس نے ضایع کیا۔ اُس نے اپنا نصیب کھویا۔ بعد اس کے ابن عباس اُٹھ کر چلے گئے۔

یہ تقریر جو ابن عباس اور خلیفہ دوم کے درمیان ہوئی ایسے موقع کی ہے جہاں نہ کسی ملکی اور مالی امر پر بحث تھی اور نہ خلافت کی حقیقت وغیرہ پر بلکہ ایک قطعہ کی تعریف پر سارا قصہ چھڑ گیا ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ وہ اصلی موقع بھی لکھ دیا جائے جہاں یہ بحث خلیفہ دوم یعنی کتاب کے ہیرو اور ابنِ عباس کے درمیان ہوئی ہے۔

حضرت عمر اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں شعر و شاعری کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شاعر اچھا ہے۔ کوئی کسی کو بتلا رہا ہے کہ وہ خوب کہتا ہے۔ اتنے میں ابن عباس بھی آجاتے ہیں۔ اور خلیفہ حاضرین دربار سے کہتے ہیں کہ بڑا جاننے والا شاعروں کا آگیا ہے اس سے پوچھنا چاہئے۔ چنانچہ ابن عباس نے زہیر ابن مسلمی کا نام بتایا ہے۔ اور پھر خلیفہ نے اُس کے اشعار پڑھنے کی فرمایش کی ہے۔ اور ابن عباس نے زہیر ابن سلمیٰ کے یہ چار شعر سنائے ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے۔

اگر بیٹھ سکے آفتاب پر از روئے کرم کے کوئی قوم۔ تو بسبب اپنی پہلی بزرگی اور مجد کے بیٹھے گی۔ وہ قوم کا باپ ان کا سنان ہے جس وقت نسب انکا بیان ہو۔ پاک ہیں وہ اور پاک ہے اولاد اُن کی جو اُن سے پیدا ہوئی۔ کوئی ہیں جب وقت امن ہو جن ہیں جب وقت خوف ہو۔ تو ہی ول ہیں اور ہنسنے والے ہیں جبکہ مجتمع ہوں حسد کرتے ہیں لوگ اُنکی نعمتوں کا۔ خدا نہ زائل کرے۔

وہ چیز جس کے سبب سے وہ محسود ہیں۔ یہ اشعار سُن کر حضرت عمر نے بھی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ خدا کی قسم جہانتک میں جانتا ہوں۔ ان اشعار کا مصداقِ اولےٰ بجز بنی ہاشم کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ بوجہ فضل و قرابت رسولؐ کے اس کے جواب میں ابن عباس نے کہا ہے کہ اس سمجھ میں تم نے توفیق پائی اور اس کے بعد کا وہ مکالمہ ہے جسکو میں نے اُوپر لکھا ہے اور مصنف نے بھی ادھورا سا درج کتاب کیا ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ براہ مہربانی ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت عمر کا دل ان لوگوں سے کسقدر پھرا ہوا تھا کہ بات کی بات میں یہانتک نوبت پہنچی حالانکہ ابن عباس کو نہ کسی طرح دعوٰی خلافت تھا نہ دعوٰی وراثت اور سب جانتے تھے کہ خلافت سے اُنکو ذاتی تعلق نہیں۔ صرف طرفداری علی مرتضیٰ کی وجہ سے یہ باتیں ہوئیں تو پھر سوچنا چاہیئے کہ اصل مدعی خلافت سے اُن لوگوں کے دلوں کی کیا حالت ہوگی

مصنف نے کسی قدر ٹھیک لکھا ہے کہ حضرت عمر علی مرتضےٰ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے مصنف نے حضرت عمر کی نسبت جو یہ ظاہر کیا ہے کہ علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے اُس کی صداقت مندرجہ بالا مکالمہ اور تقریر جانشین کی بحث میں جہاں گذشتگان کو نام بنام یاد کر کے آپ نے گنایا ہے بخوبی ہو سکتی ہے۔

علیؑ۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمٰن کو جو خلافت مآب اپنے بعد خلافت کے انتخاب کے لئے تجویز کرتے تھے اُن پر بھی اُن کو کیا بھروسا نہ تھا۔ اور ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب اُن کی نگاہ میں موجود تھا جن کو مصنف نے ادب کا حیلہ تراشش کر نہیں لکھا۔ اور علیؑ مرتضےٰ پر جو مزاح کا الزام حضرت عمر لگاتے تھے۔ اُس کی مصنف نے بڑے زور سے تردید کی ہے۔ اور ہم اس وجہ سے اُن کے شکر گزار ہیں کہ جس امر کو مصنف اہل سنت حضرت عمر کی تعلیم سے قبول کرتے آئے ہیں اُسکو مصنف نے اپنی آزادی

خیالات کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم مصنف کی اُس رائے سے محروم رہے۔ کہ جن اسباب کی وجہ سے حضرت عمر نے علی مرتضیٰ کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ اگر مصنف یہاں وہ اسباب بھی لکھ دیتے تو شیعوں کو زیادہ مشکوری کا موقع ملتا۔ اور کتاب کے پڑھنے والے بھی اُن اسباب کو جان لیتے۔ جن کی وجہ سے حقدار اور دعویدار خلافت کو محروم رکھا گیا۔ میں تو نہیں کہہ سکتا کہ مصنف نے یہاں بحیثیت مؤرخ اور آزاد رائے ہونے کے اپنی ڈیوٹی کو پورا نہیں کیا۔ مگر تمام شیعہ اور وہ لوگ جو طالب تحقیق ہیں یہی کہینگے کہ مصنف نے امرِ حق کو ظاہر کرنے میں دیانت داری سے کام نہیں لیا۔

مصنف نے قبول کر لیا ہے کہ حضرت عمر پر مرنے کے بعد چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا۔ مگر یہ نہیں جتلایا کہ وہ کس ساہوکار سے قرض لیا تھا۔ اور اس کا نہ جتانا اسی تاریخی واقعہ کی تائید کرتا ہے۔ کہ وہ چھیاسی ہزار اُنہوں نے بیت المال سے اپنے ذاتی اخراجات میں اُٹھا لیا تھا۔ اگر بلا مرضی اور اطلاع دیگر مالکوں یا شریک مسلمانوں کے یہ تصرف خلاف اخلاق ہو سکتا ہے۔ تو حضرت عمر اس عمل بداخلاقی سے بچ نہیں سکتے۔ مصنف نے یہ بھی نہیں لکھا کہ روپیہ کہاں خرچ ہوا۔ جب کہ روزانہ خرچ دو درہم مصنف نے قبول کیا ہے۔ تو اس امر کا ثابت کرنا ضروری تھا کہ یہ چھیاسی ہزار قرض کونسے اسلامی کام میں خرچ ہوا۔ مگر جیسے دیگر مورخین نے اس تنقیح کو گومگو کی حالت میں رکھا ہے اُس کی تقلید آنریبل سرسید احمد خان کے مشہور کئے ہوئے اس مؤرخ نے بھی کی ہے۔

کتب تواریخ سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیت میں امیر نہ تھے۔ بلکہ بسر اوقات دلالی پر تھی جسکو ہمارے

اس مہذب زمانہ میں شاید کمیشن کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تو لامحالہ قبول کرنا پڑے گا کہ وہ مکان جس کو فروخت کر کے قرض ادا کیا گیا زمانہ جاہلیت کا نہ تھا۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ نے بیت المال سے روپیہ بلا اطلاع مسلمانوں کے لے کر ایسا مکان تیار کرایا ہوگا۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ ایک مہیب خلیفہ تھے اسی وجہ سے کسی مسلمان کی ہمت نہ پڑی ہوگی کہ وہ اُن سے آزادی کے ساتھ اس معاملہ میں گفتگو کرتا۔

یہاں پہلا حصّہ ختم ہوکر دوسرا حصّہ جس میں ملکی مالی فوجی انتظامات کی تفصیل ہے۔ اور اُن کی ذاتی عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے۔ شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس حصّہ پر ہم اپنی رائے کو بالفعل اس وجہ سے ملتوی رکھتے ہیں۔ کہ شاید۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند“۔

الراقم

قاضی فقیر علی عاقل انصاری سابق سنی المذہب ساکن کانگڑہ پنجاب

اعجاز جعفری ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے معجزات نظم میں درج ہوئے ہیں لطف یہ کہ پہلے معجزہ کو صرف ایک شعر میں اور دوسرے معجزہ کو صرف دو شعر میں علیٰ ہذا اسی ترتیب سے ۔ قیمت ۲ر

ریویو الفاروق جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ علی گڑھ کالج کے مشہور پروفیسر مولوی شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق پر محققانہ ریمارکس ۔ جو حضرات الفاروق ہر دو جلد قیمتی للعہ نہیں خرید سکتے وہ اسے ضرور منگوائیں قیمت ۲ر

ازالہ اشتباہ ۔ عام فہم غلطی کو دور کرنے کے واسطے جو شیعوں کی نسبت کہی جاتی ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ کو سب کرتے ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرقہ شیعہ میں سب کرنا جائز نہیں ۔ قیمت ۲ر

لمعۃ الضیائی العمدۃ
من اخبار الرضاؑ
یعنی
مکمل سوانحعمری حضرت امام رضاؑ
بزبان اردو

یہ بہا کتاب ہے عام مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی دو حالتوں کی تقابل کا نظارہ گھر بیٹھے میسر آجائیگا دیکھنے والے فاضل مصنف کی محنت کے قائل ہے نہ ہونگے بلکہ اس بے نظیر کتاب سے مصائب میں گر گر نکل جائے اور جان و مال کے دشمنوں میں رہ کر پایہ بلند پر قائم رہنے کا سبق حاصل کرینگے ۔ قیمت عہ

کتاب اعجاز المسیح پر ریویو

اس پر فتنہ زمانے میں جبکہ ہر طرف سے مدعیان نبوت برساتی کیڑوں کی طرح نکلے آتے ہیں پنجاب میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی مسیحیت کا دعویٰ کرکے ایک کتاب لکھی جسکی عبارت کو وہ معجزہ سمجھتے ہیں۔ ایک شیعہ ممتاز الافاضل نے اسکی کتاب پر ریویو لکھکر بتادیا تھا کہ جسکو صرف نحو کے قاعدے معلوم نہ ہوں وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور اسکی کتاب معجزہ کیونکر بن سکتی ہے ۲ر

مہر خاموشی ۔ میر سجاد حسین صاحب کی وہ مشہور عجیب و غریب حقیقت سے لبریز اور سنسنی خیز مقدمہ کی کتاب ہے جو ہر شیعہ کے قابل دید ہے ۔ ۱۰ر

مناجات ۔ جناب مولانا سید زین العابدین صاحب مرحوم کی مقبول مناجات جس کا ہونا ہر شیعہ کے پاس ضروری ہے ۲ر

صدائے حقانی در حقیقت شیخ جیلانی
المعروف خروس جیلانی

مؤلفہ عمدۃ المحققین جناب مولانا مرزا احمد علی صاحب قبلہ امرتسری ۔ اس رسالہ میں مؤلف ممدوح نے اہل جماعت کی نہایت ہی معتبر کتابوں سے کمال محنت و جانفشانی سے حضرت شیخ جیلانی کے حالات جمع فرمائے ہیں اور اس خوش اسلوبی سے لکھے ہیں کہ موافق و مخالف بڑے ذوق و شوق سے انکا مطالعہ کرکے حظ اٹھاتے ہیں اور حضرت شیخ کے حسب و نسب اور مذہب کے متعلق واقفیت بہم پہنچا کر نتیجہ تک پہنچتے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ہی عمدہ ۔ ضخیم تقریباً ایک سو صفحہ ۔ ایک دفعہ شروع کرکے تو ختم کئے بغیر نہ چھوڑو ۔ باوجود ان خوبیوں کے قیمت صرف ۶ر

نماز امامیہ با ترجمہ مع اصول دین وغیرہ تمام واجب نمازوں کے مفصل احکام صاف سادہ اردو زبان میں مبتدیوں کے لیے بہت مفید حجم ۴۰ صفحہ سر

نور ایمان کیا ہے؟

فن مناظرہ کا گلدستہ۔ دلائل براہین کا مجموعہ۔ تہذیب و متانت کا نمونہ حسن بیان کا آئینہ اور شیعہ و سنی اختلافات کا فیصلہ ہے۔ اس کتاب کے مؤلف عالیجناب محاسن نصاب خان بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ تصانیف میں سے یہی کتاب بارہا چھپ کر مومنین سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے لیکن اب کی دفعہ مؤلف ممدوح نے نظر ثانی فرما کر مضامین و دلائل کی زیادتی سے اس کی شان کو دوبالا کر دیا ہے اس کا حجم اب کی دفعہ تقریباً دوچند ہو گیا ہے اور کاغذ و طباعت کی خوبیاں دل کو کشش کرتی ہیں۔ اس لیے تمام مومنین سے التماس ہے کہ وہ اس گوہر بے بہا کو ضرور لیں اور جن حضرات کے پاس اس نام کی کتاب موجود ہے وہ بھی اس ایڈیشن کو ملاحظہ فرما کر مؤلف کی عرقریزی کی داد دیں۔ محاسن ظاہری و معنوی کے باوجود ہدیہ صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک وغیرہ ۔۔۔۔ عہ

اظہار حق

مؤلفہ جناب سید صغیر حسن صاحب قتیل مرحوم یہ رسالہ اثبات متعہ میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ مستند اور قوی دلائل و براہین کا ایسا مجموعہ ہے کہ منکر کو سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں رہتا قیمت ۔۔۔۔۔۔ ۶/

تفریح الشیعہ

یہ کتاب اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جس میں لطیف ترین مضامین مختلف تاریخوں علماء کی سوانح عمریوں سے انتخاب کر کے جمع کر دیئے ہیں۔ علماء کے دلچسپ مناظرے لطیف روایتیں اور دلپذیر حکایتیں، جناب علی مرتضیٰ ع کے علم لدنی کے نمونے وغیرہ وغیرہ درج ہیں۔ ۶/

ملنے کا پتہ: منیجر امامیہ کتب خانہ لاہور (ریلوے روڈ)